برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا جائزہ

Educational Institutions of Muslims in the Sub-Continent of Indo-Pakistan: An Evaluation

ڈاکٹر صدف فاطمہ[i] ڈاکٹر مطاہر شاہ[ii] ڈاکٹر محمد رحمان[iii]

Abstract

Education has always been a crux of the question round the world. Similarly, Muhammad (PBUH) have also said that seeking knowledge is the duty of every man and women. Keeping importance of the said scenario in view, Muslims established hunreds of educational institutions in the Sub-Contenint of Indo-Pakistan. These educational institutions included, Darululoom-e-Dewband, Aligarh University،Nadwatul Ullama which served as great educational centres in the area and brought tremendouse educational and sociao-political understanding in the people of subcontinat.

This study is therefore designed to analase the services these of intitutions which is given here in details.

Key words: Darul uloom Deoband, Ali Garh, Madrasa Alia, Dilhi College,

1857ء کے بعد جو تعلیمی ادارے قائم ہوئے وہ تعلیمی تحریکوں کا نتیجہ تھا۔ اس وقت جس تحریک نے زیادہ کامیابی حاصل کی وہ سرسید کی تحریک تھی، علی گڑھ کالج سرسید کی تعلیمی تحریک کا نتیجہ تھی۔ اس سے پورے ملک میں تعلیمی تحریک شروع ہوگئی۔ برصغیر کے چیدہ چیدہ تعلیمی ادارے بیان کیے جارہے ہیں۔ جوکہ بہت اہمیت کے حامل ہیں ان اداروں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

برصغیر پاک وہند میں بھی مسلمانوں کی حکومت کے آخر تک کتابوں کی اہمیت قائم رہی۔ پاکستان کے قومی آثار خانے میں جو مخطوطات محفوظ ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں جو کسی وقت مختلف حکمرانوں کے کتب خانوں کی زینت تھے۔

مسلمانوں نے نصف دنیا کو فتح کیا۔ مگر ان کی اصلی یادگاران کی علمی فتوحات ہیں، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمان سائنس دانوں نے اپنے زمانے میں انسانی علم کو کتنا آگے بڑھایا ان کارناموں کو بھی مختصر طور سے بیان کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی بے سود کوشش ہے۔ جابر بن حیان، البیرونی، ابن الہیثم، زکریارازی، خوارزمی، بوعلی سینا، عمرخیام، یاقوت

i اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اردو سٹڈیز، یونیورسٹی آف کراچی

ii اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اردو سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

iii اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اردو سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

خموسی اور ان کے متعدد ہمسر علمائے طبیعات و ریاضیات و علوم دیگر اس پائے کے لوگ تھے کہ ان پر آج بھی ساری علمی دنیا ناز کرتی ہے اور ہم مسلمانوں کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے [1]۔

تعلیم کا اصل دور وہ تھا جو انگریزوں کے تسلط سے پہلے گزرا تھا اور تعلیم در حقیقت وہی تھی جو اس کے بعد بھی مدرسوں اور مکتبوں میں دی جاتی تھی۔ یہ وہ تعلیم تھی جس کے سانچوں میں ڈھل کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا اسلامی مفکر اور فلسفی نکلا۔ جس کی تعلیم نے شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر جیسے علما پیدا کیے۔ شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلوی جیسے مجاہد اور اسلام کے سرفروش اور محافظ، رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی جیسے بالغ نظر علمائے دین پیدا کیے۔ جس تعلیم و تربیت کی بدولت سرسید، نذیر احمد، حالی، شبلی، آزاد، ذکاء اللہ جیسے صاحب کمال اہل علم، ایثار پیشہ افراد ملتِ اسلامیہ کو میسر آئے [2]۔

تعلیم کا دور جو برصغیر میں انگریزوں کے تسلط کے بعد شروع ہوا وہ جدید علوم و فنون کی تعلیم کا دور ہے۔ جدید علوم کی تعلیم انہی بزرگوں کے ہاتھوں میں تھی جنھوں نے پہلے بھی علم کے لیے کام کیا۔ ان بزرگوں نے علی گڑھ، لکھنؤ، لاہور، کراچی، حیدر آباد دکن میں جدید علوم و فنون کی درس گاہیں قائم کیں۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا تھا لیکن اس کا اثر تعلیم پر نہ پڑا۔ ہندوستان میں کمپنی کی حکومت قائم ہوئی تو تعلیم کا یہ سابقہ نظام توڑ دیا گیا اور جو نظام قائم کیا گیا اس میں ہندوستانیوں کے تعلیم کا خانہ خالی تھا۔ برٹش پارلیمنٹ میں تعلیم کا ریزولیوشن پیش ہوا تو اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی اور امریکہ میں تعلیم کے اجرا اور اس کے نتیجے میں تحریکِ آزادی کے فروغ کی مثال دے کر کہا گیا کہ ہندوستان میں بھی تعلیم کے اجرا سے سیاسی شعور پیدا ہوگا اور ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ چنانچہ یہ ریزولیوشن نامنظور ہو گیا۔ البتہ ۱۸۵۷ء کے بعد کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور پالیسی بدلی تو ایک نظام کے تحت انگریزی حکومت کی مدد سے اس کی شرائط پر اور اسی کی مکمل نگرانی میں تعلیمی اداروں کے قیام کی اجازت دی جانے لگی بلکہ ہمت افزائی بھی کی گئی [3]۔

1857ء کے بعد جدید دور تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند میں مدرستہ العلوم، علی گڑھ مشرق میں مدارس، کلکتہ کی جامعات، جنوب میں دار العلوم، نواب سالار جنگ، حیدر آباد، جنوب مغربی علاقے میں انجمن اسلام اسکول، بمبئی اور سندھ مدرستہ الاسلام کراچی، شمال مغرب میں پنجاب یونیورسٹی کالج اور اسلامیہ کالج لاہور اور بعض دوسرے مدارس قائم ہو گئے۔ اگرچہ ان مدارس میں مسلمانوں میں علوم و فنون کو تو کوئی خاص فائدہ نہ ہوا تھا لیکن اس سے تعلیم پھیلی [4]۔

برصغیر میں 1857ء کے بعد جو تعلیمی ادارے قائم ہوئے وہ تعلیمی تحریکوں کا نتیجہ تھے۔اس وقت جس تحریک نے زیادہ کامیابی حاصل کی وہ سرسید تحریک تھی۔ علی گڑھ کالج سرسید کی تعلیمی تحریک کا نتیجہ تھی۔اس سے پورے ملک میں تعلیمی تحریک شروع ہوگئی۔

برصغیر کی تعلیمی تاریخ میں 1838ء بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مشرقی ہند میں جو انقلاب 1838ء میں آیا شمالی ہند میں وہ 1857ء میں آیا۔

جدید علم وفنون کی تعلیم کے مدارس 1857ء سے پہلے قائم ہو چکے تھے۔اس سلسلے میں دہلی کالج کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔اس دور کا آغاز 1857ء کے بعد ہوا۔

درج ذیل میں برصغیر پاک وہند کے چند تعلیمی ادارے بیان کیے جارہے ہیں جو کہ بہت اہمیت کے حامل ہیں:

أ. مدرسہ عالیہ، کلکتہ

اکتوبر 1780ء کو مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔اس مدرسے کے پہلے نگراں یا مدرس اوّل ملا مجد الدین مقرر ہوئے۔پہلے یہ مدرسہ کرائے کی عمارت میں قائم کیا گیا پھر شاندار عمارت تعمیر ہوئی، مدرسے کا نصاب تعلیم درسِ نظامیہ کے مطابق رکھا گیا۔مدرسے کے نصاب میں حکمت، عقائد، ہیئت، اقلیدس، ریاضی، منطق، بلاغت، صرف و نحو وغیرہ علوم شامل تھے۔

1826ء میں مسلمانوں کی انگریزی تعلیم کے لیے ایک جماعت قائم کی گئی مگر مسلمان انگریزی تعلیم کے حق میں نہ تھے۔انگریزوں کو اس مدرسے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کا شمار برصغیر کی قدیم ترین اسلامی درس گاہوں میں ہوتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی جس کا ظاہری مقصد تجارت اور اصل مقصد ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ اور اقتدار کا حصول تھا ، رفتہ رفتہ ہندوستان کے انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے لگی۔ دوسری طرف مغلیہ سلطنت سازشوں کی وجہ سے کمزور ہوتی جارہی تھی۔ بادشاہ نے بنگال کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا۔ لیکن شرط رکھی گئی کہ انتظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔انگریز چاہتے تھے کہ تبدیلی کی جائے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ ان کی اسلامی روایات غیر محفوظ ہیں۔اس مقصد کے لیے اس ادارے کا قیام عمل میں آیا[5]۔

ب. فورٹ ولیم کالج، کلکتہ

فورٹ ولیم کالج ۱۹ویں صدی کا ایک اہم ادارہ ہے جس کی بنیاد انگریز گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی نے ٹیپو سلطان کی شکست اور انگریزوں کے فیصلہ کن فتح کی پہلی سالگرہ (4 مئی 1800ء) میں رکھی[6]۔

اس کالج کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ 14، 15 سال کی عمر میں بھرتی کیے گئے انگریز افسران جن کو ہندوستان بھیجا جاتا تھا، کی تعلیم و تربیت کی جاسکے۔ ولزلی کو کالج قائم کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ اس نے کورٹ آف ڈائریکٹرز سے اس کی پیشگی منظوری بھی نہیں تھی۔ جب مسئلہ کورٹ میں آیا تو کالج بند کرنے کا حکم ملا اور یہ کہ انگریز افسران کی تربیت پہلے کی طرح کی جائے۔ فورٹ ولیم کالج صرف علوم شرقیہ اور دیسی زبانوں کی تعلیم کے لیے مخصوص و محدود کر دیا گیا۔ اب یہ کالج شدید مالی بحران کا شکار ہو گیا۔ کچھ عرصہ کالج چند مشینوں، مختصر عملے اور محدود مقصد کے ساتھ چلتا رہا لیکن جب 1835ء میں لارڈ میکالے نے اپنی روداد تعلیم پیش کی اور 1838ء میں دفتروں میں انگریزی تعلیم رائج ہوئی تو لارڈ ڈلہوزی نے فورٹ ولیم کالج کو بند کرنے کا حکم دے دیا۔

ت. دہلی کالج

جس عمارت میں مدرسہ غازی الدین تھا اسی میں دہلی کالج 1825ء میں قائم کیا گیا۔ مسٹر جے۔ ایچ۔ ٹیلر جو مقامی مجلس کے سکریٹری تھے، قائم مقام و پرنسپل مقرر ہوئے۔ 1835ء میں ان کو باقاعدہ پرنسپل بنا دیا گیا۔ 1825ء سے 1828ء تک یہ کالج ایک روایتی مشرقی درس گاہ کے انداز میں کام کرتا رہا۔ 1828ء میں اس میں شعبہ انگریزی کا اضافہ کیا گیا۔ کالج کے مشرقی شعبہ میں قدیم فلسفہ، منطق اور فارسی و عربی کی تدریس کا پرانا نظام باقی رکھا اور ساتھ ہی مغرب کے علوم بھی نصاب میں شامل کیے ۔ مشرق کے طلبا کو اردو زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ 1946-47ء تک دہلی کالج کا شمار برصغیر کی سب سے بڑی اور اہم درس گاہوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

ث. دارالعلوم دیوبند

30 مئی 1867ء کو ضلع سہارنپور کے ایک قصبے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ دراصل اسلامی علوم کی ایک درسگاہ تھی۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام حضرت شاہ ولی اللہ کی انقلابی فکر کے سلسلے کا ہی ایک قدم تھا۔ جو حالات کے پیش نظر کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد حدیث و قرآن کی درس و تدریس اور اسلامی علوم کی تعلیم دینا تھا۔ دارالعلوم دیوبند علوم اسلامی کی بہت قدیم طرز کی درسگاہ نہیں بلکہ احیائے اسلام و قیام ملت کی ایک عظیم الشان تحریک کا نام ہے۔

دیوبند کے اکابرین نے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت مصیبتیں برداشت کیں۔ دارالعلوم دیوبند نے اپنے قیام سے 100 سال کی مدت میں 17 ہزار مشائخِ طریقت، مدرس، خطیب، مبلغ، مفتی، مناظر، مصنف، صحافی، طبیب اور ماہرین صنعت و حرفت پیدا کیے۔

ج. مدرسۃ العلوم، علی گڑھ

24 مئی 1875ء کو ایک گھاس پھونس کے نیم پختہ بنگلے میں مدرسے کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔اس کے بعد 1876ء میں سرسید احمد خان نے مدرسے کی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔اس مدرسے کا آغاز ہی اسلامی اخوت ومساوات کا آئینہ دار تھا۔ مسلمانوں میں مدرسے کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 18 ماہ کے اندر اسکیم کے دوسرے حصے یعنی کالج کا قیام کا کام شروع ہوگیا۔ سرسید اس تحریک کے بانی تھے اور مدرسے کے منتظم اور اس کی عمارتوں کے آرکیٹکٹ بھی۔ عمارتوں کے نقشے سرسید نے خود بنوائے۔ وہ مالی بن کر آم کے درخت بھی لگاتے رہے اور فلسفی بن کر قوم کی ترقی کا راز بھی تلاش کرتے رہے[7]۔

وہ مدرسہ جو گھاس پھونس کے معمولی مکان سے شروع ہوا تھا اب عظیم جامعہ کا روپ دھار چکا تھا اور وہ تحریک جس کی مخالفت خود مسلمانوں نے کی وہ ان کی تہذیب وثقافت کی امین بن گئی۔ ایسا ادارہ جس میں داخل ہونا کفر سمجھا جاتا تھا آج کتنے عظیم نام اس سے وابستہ ہیں۔ یونیورسٹی کی اولین چانسلر حضرت نواب سلطان جہاں بیگم والی بھوپال مقرر ہوئیں۔

علی گڑھ یونیورسٹی نے جس مدرسے سے جنم لیا وہ مدرسہ جدید علوم وفنون سے مسلم نوجوانوں کو روشناس کرانے کے لیے قائم ہوا تھا۔انگریزی تعلیم کی ضرورت سے اس کی ابتدا ہوئی[8]۔

اگر اسلامی ہند کے کسی ایک ہی ادارے کو تحریر و تحقیق کا موضوع بنایا جائے، جس نے تعلیم مذہب، سیاست، ادب، تاریخ، صحافت، تہذیب و ثقافت میں بیک وقت ایک امتیاز حاصل ہوا اور مستقبل میں علمی، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہو۔ جس کے بانیوں میں وقت کے بہت سے اکابر جمع ہوگئے ہوں اور وہی بالآخر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا سب سے بڑا سرچشمہ ثابت ہوا، تو وہ ادارہ علی گڑھ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ آج جب ہم علی گڑھ کا نام لیتے ہیں تو ہمارے ذہن میں جدید علوم کی ایک درس گاہ کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کا نقش ہمارے ذہن میں علم، ثقافت، سیاست، ادب کی ایک صنف کے طور پر ابھرتا ہے[9]۔

ح. یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

8 دسمبر 1869ء کو کالج کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ کالج کا نام پنجاب یونیورسٹی کالج رکھا گیا۔ ڈاکٹر لائٹنر کو اس کا پہلا رجسٹرار منتخب کیا گیا۔اس کالج کے دو مقاصد تھے۔

- جہاں تک ممکن ہو پنجاب کی دیسی زبانوں (اردو اور ہندی) کے ذریعے یورپین علوم وفنون کو شائع کرنا اور دیسی ادبیات کو ترقی اور وسعت دینا۔
- مشرقی السنہ (عربی، فارسی، سنسکرت) اور ادبیات کی عمدہ تعلیم کو ہر طرح سے ترقی دینا[10]۔

انگریزی زبان اور ادبیات کی تعلیم کو ہر طرح سے تقویت دینا اور جن زبانوں کی تعلیم اردو میں نہیں ہو سکتی اس کا امتحان انگریزی میں ہونا۔

انجمن پنجاب نے اپنے قیام کے پہلے سال 1860ء میں علوم مشرقی کا ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا۔ اگلے سال مئی سے کالج کی جماعتوں کا اجرا بھی عمل میں آگیا۔ پھر یونیورسٹی کالج کا قیام عمل میں آگیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم مشرقی زبان میں دی جائے گی۔ ابتدا میں مشرقی علوم کا یہ ادارہ اورینٹل اسکول کہلایا لیکن جب کالج قائم ہو گیا تو اس کا نام اورینٹل کالج ہو گیا۔

اورینٹل کالج میں طلبا کو 126 متحانات دینے پڑتے تھے۔ اردو، ہندی، گورمکھی، پشتو، عربی، فارسی، سنسکرت کے امتحانات بھی ہوتے تھے۔ اردو میں ادیب، ادیب عالم، ادیب فاضل۔ اسی طرح فارسی میں منشی، منشی عالم، عربی میں مولوی، مولوی عالم وغیرہ کے امتحانات ہوتے تھے۔

1891ء سے انگریزی کے امتحان کا آغاز کر دیا گیا۔ مغربی زبانوں میں فرانسیسی، ہسپانوی، جرمن، ترکی، روسی زبانوں کی تدریس کی خدمات بھی اسی کے حصے میں آئیں۔ اورینٹل کالج کے سامنے تدریسی کا جو بلند معیار تھا ان میں لائبریری بھی شامل تھی۔ ایک نہایت عمدہ لائبریری قائم کی گئی۔ اورینٹل کالج میگزین نے بھی کالج کو چار چاند لگا دیے۔ اردو کانفرنس کا انعقاد کالج کی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔

خ. سندھ مدرستہ الاسلام، کراچی

1885ء میں سندھ مدرستہ الاسلام کا قیام عمل میں آیا۔ سندھ میں تعلیمی تحریک کا آغاز نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی شاخ کراچی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسوسی ایشن جسٹس سید امیر علی نے قیام کانگریس سے بہت پہلے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے 1882ء میں قائم کی۔ اس ایسوسی ایشن کے دو مقاصد تھے۔

- مسلمانوں کی فلاح کے لیے جائز طریقے اختیار کیے جائیں۔
- اس ملک کے تمام باشندوں کے مفادات کی حمایت کی جائے۔

ایسوسی ایشن کے دونوں مقاصد نہایت منفرد انداز کے تھے۔ یہ کالج جو اس تحریک کے نتیجے میں عمل میں آیا اس لیے اس کا نام "سندھ مدرستہ الاسلام" تھا۔ یہ مدرسہ سندھ میں مسلمانوں کی تعلیمی و ثقافتی تاریخ کا روشن باب ہے۔ پہلے یہ مدرسہ بولٹن مارکیٹ کے سامنے ایک کرائے کی عمارت میں قائم ہوا تھا۔ یہ ایک گودام تھا پھر اس کی جگہ تبدیل کر دی گئی جہاں یہ اب تک موجود ہے۔ مدرسے کی مالی امداد مسلم نوابین اور حکومت نے بھی کی اور عوام نے بھی حصہ لیا۔ سندھ مدرسہ اپنے قیام سے برابر ترقی کرتا رہا قیام پاکستان کے بعد اس کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔

د. دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ندوۃ العلما کا قیام مولانا شبلی نعمانی کی دیرینہ خواہش کا نتیجہ تھا۔ ندوۃ العلما کی تحریک ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے ایک سالانہ جلسے میں اس مدرسے کے فارغ التحصیل طلبا کی دستار بندی کے موقعے پر ہوئی۔ اس کے دو مقاصد تھے۔

(ا)رفع نزاع باہمی (۲) صحیح طریقۂ تعلیم

ندوۃ العلما کے قیام سے مسلمانوں میں بہت جوش و خروش پیدا ہوا۔ مختلف اسلامی اور قومی انجمنوں نے اپنے مشورے بھیجے۔ 1897ء تک ندوۃ العلما کا دفتر کانپور میں رہا۔ 1898ء میں اس کا دفتر لکھنؤ منتقل ہو گیا۔

شبلی نعمانی کی خواہش تھی کہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم و تربیت خاص طرح کی ہو۔ اس ادارے کے طلبا ادب اور عربیت میں ماہر ہوں، اسلام کے عقائد میں ماہر ہوں، روشن خیال اور بہت عالم ہوں، قرآن مجید میں عبور رکھتے ہوں، عربی میں لکھ اور پڑھ سکیں۔

ندوۃ العلما کی خوش نما عمارت لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ایک کھلے قطعہ میں ہے۔ نصابِ تعلیم کو اس طرح مرتب کیا گیا کہ اس میں دینی علوم، قرآن پاک، احادیث نبوی، فقہ، تاریخ اسلام، اسرارِ شریعت شامل تھیں۔

ذ. اسلامیہ کالج، پشاور

صاحبزادہ عبد القیوم اور صوبہ سرحد کے چیف کمشنر جان روس کیل نے ایک تعلیمی اسکیم مرتب کی اور پشاور سے درۂ خیبر کی طرف 5 میل کے فاصلے پر ایک دار العلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ دار العلوم اسلامیہ وہی ہے جو بعد میں اسلامیہ کالج پشاور کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا سنگ بنیاد 1913ء میں آزادی کے مشہور رہنما اور مجاہد فی سبیل الحریت حاجی صاحب ترنگ زئی سے رکھوایا گیا۔ ابتدا اسکول سے ہوئی 1914ء میں اسے کالج کا درجہ دے دیا گیا۔

ر. جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن

اکبر حیدری کی مساعی اور نظامِ دکن میر عثمان علی خان کی منظوری سے جامعہ عثمانیہ کا قیام 28 اگست 1919ء کو وجود میں آیا۔ جامعہ کی ابتدا "کلیہ جامعہ عثمانیہ" کے قیام سے ہوئی۔ یہ یونیورسٹی کالج تھا۔ مولوی حبیب الرحمن خان شیروانی نے نظامِ جلسہ کی صدارت کی۔

جامعہ کے قیام سے سائنس اور فنون کے شعبوں میں تعلیم دی جانے لگی۔ اس کے علاوہ دینیات کا شعبہ الگ تھا۔ تعلیمی شعبے ریاضی، انگریزی، تاریخِ اسلام، تاریخِ یورپ، معاشیات، فلسفہ و منطق، طبیعات، کیمسٹری، عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، مرہٹی، کنڑی، تلنگی پر مشتمل تھے۔ دینیات کے شعبے کے تحت حدیث، تفسیر، فقہ، کلام و فلسفہ قدیم، منطق اور عربی ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔

کلیہ جامعہ عثمانیہ کی صدارت کے لیے عبد الرحمن بجنوری کو منتخب کیا تھا لیکن وہ چارج لینے سے قبل انتقال کر گئے۔ پھر یہ عہدہ نواب مسعود جنگ کو ملا۔

ز. جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے 29 اکتوبر 1930ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قیام کا اعلان کیا۔ جامعہ کی بنیاد علی گڑھ میں رکھی گئی۔ یہ بڑی بے سروسامانی کا دور تھا۔ نہ رہنے کا خاطر خواہ انتظام نہ پڑھنے کی جگہ۔ خیمے کی قیام گاہ اور تعلیم گاہ درختوں کے سائے تلے تھی۔ مولانا محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ جامعہ کی بنیاد شدید سیاسی ہیجان کے زمانے میں ہوئی۔ جامعہ کو دہلی منتقل کر دیا گیا۔ کرائے کا مکان لے کر 1925ء میں نئے سرے سے اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ جامعہ نے دستکاری، صنعت و حرفت کو حصولِ معاش کا ذریعہ بنایا۔ مثلاً قفل سازی، پارچہ بانی، ڈیری فارمنگ، اور کیمیاوی صنعتوں میں اپنے طلبہ کی تربیت کا اہتمام کیا۔ جامعہ اپنا ایک مجلہ ہر ماہ "جامعہ" کے نام سے شائع کرتی رہی۔

الغرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے تعلیمی اداروں نے نمایاں خدمات انجام دیں ہیں جن کی فصل ہم آج کاٹ رہے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 ڈاکٹر ممتاز حسن، پیش لفظ، مشمولہ ادارے (مجلہ علم و آگہی) کا خصوصی شمارہ، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی، 1973-74ء، ص15

2 ابو سلمان شاہجہانپوری، مقدمہ برصغیر کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے، مشمولہ (مجلہ علم و آگہی) کا خصوصی شمارہ، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی، 1973-74ء، ص17

3 نفس مصدر: 18

4 مقدمہ برصغیر کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے: 19

5 امیر اسلام، مدرقہ عالیہ، کلکتہ، مشمولہ ادارے (مجلہ علم و آگہی) کا خصوصی شمارہ، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی، 1973-74، ص34

6 ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006ء، 3: 407

7 نذیر چودھری، مدرستہ العلوم علی گڑھ، مشمولہ (مجلہ علم و آگہی) کا خصوصی شمارہ، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی، 1973-74، ص 80

8 نفس مصدر: 81

9 مدرستہ العلوم علی گڑھ: 84

10 یونیورسٹی اوریٹل کالج، لاہور: 88